ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3, 2024

اردو خاکہ نگاری کا ایک اہم نام، خافی خان

AN IMPORTANT NAME IN URDU SKETCHING, KHAFI KHAN

ارسلان احمد

ایم فل اردو اسکالر، اسلامیہ یونی ورسٹی، بہاولپور

زنیرہ صدیق

ایم فل اردو اسکالر، ویمن یونی ورسٹی، ملتان

Arslan Ahmad

M.Phil Urdu Scholar, Islamia University Bahawal pur.

Zunaira Saddique

M.Phil Urdu Scholar, Woman University Multan.

Abstract

In Urdu language and literature, the tradition of sketching has been stable and strong for the last century. Undoubtedly, traces of this genre can be found in the mentions of Urdu poets. And many researchers also recognize Mirza Farhatullah Baig as the first draftsman. But an earlier sketch was written in 1908. Which was written by Yildirim. This article is based on the debate over who is the first draftsman.

In this article, all the technical essentials of sketching like brevity, chronology, characterization, style, etc. will be highlighted and the first sketcher will be identified.

Keywords: Sketch Writing, Personality, Sijjad Haidar Yilddirim ,Hasrat Muhani , Mirza Farhatullah Baig, Zamana, Urdu , Style, Technical Accessories.

خاکہ نگاری اردو ادب کی ایک ایسی صنف ہے جس میں خاکہ نگار کسی بھی فرد کے واقعات، احساسات اور جذبات کو ادبی اسلوب میں ڈھال کر بیان کرتا ہے۔ انگریزی ادب میں خاکہ کے لیے انگریزی لفظ اسکیچ یا پن پورٹریٹ Pen Portrait کا لفظ مستعمل ہے۔ اردو زبان و ادب میں اس کے لیے مرقع نگاری اور شخصیت نگاری کی اصطلاح مروج ہیں۔ لیکن سب سے مشہور اصطلاح خاکہ نگاری ہی ہے۔

اردو زبان و ادب میں پچھلی ایک صدی میں خاکہ نگاری کی روایت مستحکم اور مضبوط نظر آتی ہے۔ اس عرصے میں سینکڑوں خاکے لکھے گئے۔ اس صنف کی روایت پر بہت کچھ لکھا گیا اور عصرِ حاضر میں بھی بہت کچھ لکھا جا رہا ہے۔ بلاشبہ اس صنف کے نقوش ہمیں اردو شعراء کے تذکروں میں ملتے ہیں اور اس سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس حوالے سے معتبر نام محمد حسین آزاد کا ہے جن کی کتاب آب حیات میں مختلف شعراء کے قلمی مرقعوں کے نمونے ملتے ہیں۔ یہ کوشش شعوری نہ تھی بلکہ لاشعوری تھی۔ کیوں کہ ان کا مقصد تاریخ لکھنا تھا نا کہ شخصیت نگاری۔ شمیم حنفی لکھتے ہیں:

> ”آب حیات میں کئی تصویریں ایسی ہیں جن میں شخصیت نگاری یا خاکہ نگاری کا کمال دیکھا جا سکتا ہے۔ میر، سودا، آتش، ناسخ، ذوق، غالب، انشاء کی تصویروں کو آزاد کا شاہکار قرار دیا جا سکتا ہے۔ ان تصویروں میں ایک واضح انسانی سوز کا اظہار ہوا ہے۔“(۱)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3, 2024

محمد حسین آزاد کے بعد اردو خاکہ نگاری میں جو بڑا نام ہمارے سامنے آتا ہے وہ مرزا فرحت اللہ بیگ کا ہے۔ بہت سے اردو کے محققین اس بات پر متفق ہیں کہ مرزا فرحت اللہ بیگ کا لکھا گیا خاکہ ''نذیر احمد کی کہانی۔ کچھ میری اور کچھ ان کی زبانی'' اردو خاکہ نگاری کا پہلا خاکہ ہے۔ یہ خاکہ پہلی بار شمارہ ''اردو'' میں جولائی ۱۹۲۷ء میں شائع ہوا تھا۔ یہاں پر ایک بات اور بھی قابل ذکر ہے کہ یہ خاکہ پہلی بار مرزا فرحت اللہ بیگ کے نام سے شائع ہوا تھا۔ اس سے پہلے جو بھی تحریر وہ لکھتے، مرزا الم نشرح کے قلمی نام سے تحریر کیا کرتے تھے۔ نذیر احمد کی کہانی۔ ''کچھ میری اور کچھ ان کی زبانی'' ایک ایسا خاکہ تھا جس نے مرزا فرحت اللہ بیگ کو شہرت عام بخشا۔ اِس تحریر کی بدولت وہ اردو خاکہ نگاری میں اولیت کا سہرا سجانے میں کامیاب ہوئے۔ بہت سے ناقدین و محقق اس بات پر متفق ہیں کہ مرزا فرحت اللہ بیگ کا یہ خاکہ، اردو خاکہ نگاری کا باقاعدہ آغاز تھا۔ ان ناقدین میں شمیم حنفی، ڈاکٹر بشیر سیفی، خلیق انجم، مبین مرزا اور یحییٰ امجد قابلِ ذکر ہیں۔ شمیم حنفی اپنی کتاب ''آزادی کے بعد دہلی میں اردو خاکہ'' کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

> ''اصطلاحی معنوں میں اردو خاکہ نگاری کا آغاز مرزا فرحت اللہ بیگ سے ہوتا ہے۔۔۔ انھیں آج بھی اردو خاکہ نگاری کی روایت کا روشن ترین نقش کہا جاسکتا ہے۔''(۲)

مرزا فرحت اللہ بیگ کے اس خاکے کے متعلق دوسرا قول مشہور ناقد و محقق اور خاکہ نگار خلیق انجم کا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''مرزا فرحت اللہ بیگ نے بیسویں صدی کی ابتداء میں ''ڈپٹی نذیر احمد کی کہانی۔ کچھ ان کی کچھ میری زبانی'' کے عنوان سے ایک خاکہ لکھا تھا۔ چوں کہ اس میں ایک اچھے خاکے کی تمام خوبیاں موجود ہیں، اس لیے ہم اسے اردو کا پہلا کامیاب ترین خاکہ کہہ سکتے ہیں۔''(۳)

طوالت سے بچنے کے لیے صرف چند اقتباس دیئے گئے ہیں جو مرزا فرحت اللہ بیگ کو پہلا خاکہ نگار تسلیم کرتے ہیں۔ مگر تحقیق کی دنیا میں کبھی بھی کوئی چیز حرف آخر نہیں ہوتی۔ بلکہ تحقیق سے مزید نئے اضافے اور نئی بحث کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی، کتاب ''یہ لوگ بھی غضب تھے'' ہے۔ جس کے مولف ڈاکٹر ابوالخیر کشفی ہیں۔ انھوں نے اپنی اس کتاب میں ''حسرت موہانی (ایک قدر دان کی نظر سے) کو پہلا خاکہ مانتے ہیں۔ یہ خاکہ سجاد حیدر یلدرم (خافی خان کے نام سے) نے ۱۹۰۸ء میں لکھا جو کہ رسالہ ''زمانہ'' کانپور میں دسمبر ۱۹۰۸ء کے شمارے میں چھپا تھا۔ اِس خاکے نے نئی بحث کا سلسلہ شروع کیا۔ مؤلف ''یہ لوگ بھی غضب تھے'' لکھتے ہیں:

> ''ہمارے محققین مرزا فرحت اللہ بیگ کے مضمون 'نذیر احمد کی کہانی۔ کچھ ان کی کچھ میری زبانی' کو اردو کا پہلا باضابطہ خاکہ قرار دیتے ہیں۔ سید سجاد حیدر یلدرم اس سے پہلے حسرت موہانی کا خاکہ خافی خان کے نام سے لکھ چکے تھے جو دسمبر ۱۹۰۸ء کے رسالہ 'زمانہ' کانپور میں شائع ہوا تھا۔''(۴)

ڈاکٹر ابوالخیر کشفی کا نام اردو ادب میں کوئی نیا نہیں ہے۔ مجلس مطبوعات و تحقیقات کراچی کے ڈائریکٹر جنرل رہ چکے ہیں۔ ان کی زیر نگرانی تحقیق و تنقید کی درجنوں کتب شائع ہو چکی ہیں۔ وہ تحقیق کی دنیا کا ایک اہم نام ہے۔ ان کی اس بات سے انکار کیسے کیا جاسکتا ہے کہ خافی خان ہی پہلے خاکہ نگار ہیں۔ انھوں یہ بات اپنی کتاب 'یہ لوگ بھی غضب تھے' کے پیش لفظ میں لکھی تھی۔ اس پیش لفظ کا عنوان چہرہ نما کے نام سے ان کی کتاب میں موجود ہے۔ ڈاکٹر ابوالخیر کشفی کی اس تحقیق کے بعد یہ معاملہ جوں کا توں رہا۔ لیکن صادق پبلک سکول بہاول پور کے سابقہ صدر شعبہ اردو قدرت اللہ شہزاد نے اپنی کتاب ''اردو کے چند خاکہ نگار''(۲۰۰۷ء) میں ڈاکٹر ابوالخیر کشفی کی بابت لکھتے ہیں:

> ''عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اردو کے پہلے خاکہ نگار مرزا فرحت اللہ بیگ ہیں، جنہوں نے ڈپٹی نذیر احمد کا لازوال خاکہ لکھ کر شہرتِ دوام پائی۔ لیکن ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی پہلے خاکہ نگار کے طور پر سجاد حیدر یلدرم کا

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3, 2024

کھوج لگاتے ہیں، جنھوں نے فرحت اللہ بیگ سے کہیں پہلے دسمبر ۱۹۰۸ء میں حسرت موہانی کا خاکہ 'خافی خان' کے نام سے لکھا۔ جو زمانہ کانپور میں شائع ہوا۔''(۵)

یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ یہ خافی خان کون ہے؟ اگر تو یہ سجاد حیدر یلدرم ہی ہیں تو ان کو خافی خان کے نام سے لکھنے کی کیا ضرورت پیش آئی؟ عابد رضا بیدار جو کہ ایک شاعر اور نقاد اپنی پہچان رکھتے ہیں۔ وہ حسرت موہانی کی شخصیت پر قسط وار، رسالہ ''برہان'' میں لکھا کرتے تھے۔ یہ رسالہ دہلی سے شائع ہوتا تھا اور اس کے مرتب سعید احمد اکبر آبادی تھے۔ بیدار صاحب لکھتے ہیں:

''خافی خان کے نام سے زمانہ دسمبر ۱۹۰۸ء میں ایک مضمون 'حسرت موہانی' شائع ہوا تھا۔۔۔ خافی خان والا مضمون سجاد حیدر یلدرم کا لکھا ہوا ہے۔ یہ مجھے ابو الخیر کشفی صاحب نے بتایا اور خود انھیں حسرت نے بتایا تھا۔''(۶)

بیدار صاحب کی اس بات سے یہ تو اندازہ ہو گیا کہ یہ خاکہ سجاد حیدر یلدرم نے ہی خافی خان کے نام سے لکھا تھا۔ لیکن سوال یہ بھی ہے سجاد حیدر یلدرم نے خافی خان کے نام سے ہی کیوں لکھا؟ اس حوالے سے ان کی بیٹی قراۃ العین حیدر اپنے سوانحی ناول ''کار جہاں دراز'' میں لکھا ہے:

''۱۹۰۸ء اردوئے معلیٰ علی گڑھ کے ایک شمارے میں مصر میں برطانوی پالیسی پر نکتہ چینی کی گئی۔ مولانا حسرت موہانی پر مقدمہ چلا جو ہندوستان کا پہلا مقدمہ تھا۔ دو سال قید سخت سزا ہوئی۔ یلدرم نے ان کے متعلق ایک مضمون لکھا۔۔۔ سجاد حیدر نے جو سابق امیر کابل کی نگرانی پر دہرہ دون میں تعینات تھے اور افغانستان میں برطانوی پالیسی کے خلاف ایک لفظ نہ کہہ سکتے تھے خافی خان کے فرضی نام سے لکھا۔''(۷)

قراۃ العین حیدر کی اس بات کے بعد یہ تصدیق ہو جاتی ہے کہ یلدرم خافی خان کے نام سے بھی لکھا کرتے تھے۔ کیوں کہ وہ ایک سرکاری ملازم تھے یہی وجہ ٹھہری کہ انھوں نے ایک فرضی نام کو اپنا کر حکومتی پالیسیوں پر تنقید کرتے تھے۔ حسرت موہانی کیوں کہ اس وقت بغاوت کے نتیجے میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہے تھے اسی وجہ سے ان پر لکھا گیا خاکہ خافی خان کے نام سے لکھا گیا۔ ایک ترکی لفظ یلدرم کو بطور قلمی نام اختیار کرنے والے سجاد حیدر صرف اس پر ہی اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ وہ خافی خان اور مسٹر شولری علیگ کے نام سے بھی تحریر لکھا کرتے تھے۔ اس تمام بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سجاد حیدر یلدرم نے خافی خان کے فرضی نام سے حسرت موہانی پر ایک خاکہ تحریر کیا جو کہ رسالہ 'زمانہ' دسمبر ۱۹۰۸ء میں شائع ہوا تھا۔

اس کے بعد ایک اور سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ یہ مجوزہ خاکہ، خاکہ نگاری کے فنی لوازمات پر پورا اترتا ہے یا نہیں؟ جو صنفی تقاضے خاکہ نگاری کے ہیں کیا یہ خاکہ ان کی شرائط پوری کرتا ہے؟ اس لیے پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہو گا کے خاکہ نگاری کے فنی تقاضے کیا ہیں جن کی بدولت ہم ایک تحریر کو خاکہ کہہ سکتے ہیں۔

اردو زبان و ادب کی غیر افسانوی نثر میں خاکہ نگاری انگریزی زبان کی دین ہے۔ جس کے لیے اسکیچ کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ اردو ادب میں اس کو مختلف ناموں سے پکارا جاتا ہے جیسے کہ مرقع نگاری، شخصیت نگاری اور خاکہ نگاری۔ اس کے لغوی معنی ابتدائی نقشہ یا ڈھانچہ کے، لیے جاتے ہیں۔ یحییٰ امجد خاکہ کی تعریف کچھ اس طرح کرتے ہیں:

''خاکہ ایک تخلیقی صنف ادب ہے۔ جس میں زندہ شخصیت گوشت پوست کا بدن لیے، علمیت کی بھاری بھر کم عباؤں کو دم بھر کے لیے اتار کر، روز مرہ کے لباس میں نظر آتی ہے۔ اور ہم انھیں ویسا دیکھتے ہیں جیسا کہ وہ سچ مچ تھے۔ نہ کہ جیسا ظاہر کرتے ہیں۔''(8)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3, 2024

سادہ زبان میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک ایسی تحریر ہے جس میں کسی بھی فرد کے اہم اور نمایاں چیزوں کو قاری کے سامنے اس طرح پیش کیا جاتا کہ اس فرد کی جیتی جاگتی تصویر ہمارے سامنے پھر سی جائے۔ خاکہ دراصل کسی بھی شخص کی اچھائیوں اور خامیوں سے ہٹ کر ذاتی تاثرات کا ایک مجموعہ ہوتا ہے۔ خاکہ نگار ممدوح کی شخصیت کو مکمل بیان کرنے کے لیے کردار سازی کے ساتھ ساتھ اس ماحول کو بھی بیان کرتا ہے تاکہ ممدوح کی شخصیت قاری کے سامنے مزید نکھر کر آجائے۔

اردو زبان وادب کی ہر صنف کو جانچنے کے مختلف طریقے ہیں۔ جو کہ ان کے فنی لوازمات میں مخفی ہوتے ہیں۔ خاکہ نگاری میں بھی مختلف فنی لوازمات کا استعمال کیا جاتا ہے جس سے خاکہ کی پہچان ممکن ہوتی ہے۔ اس میں پہلے نمبر پر واقعہ نگاری ہے۔ کسی بھی شخصیت کو بیان کرنے کے لیے خاکہ نگار کے پاس مواد کا ہونا ضروری ہے اور ممدوح کی زندگی سے جڑے واقعات سے بڑھ کر مواد کیا ہوگا۔ خاکہ نگار ایسے واقعات کا انتخاب کرتا ہے جس کے ذریعے وہ صاحب خاکہ کی شخصیت کو اچھے سے بیان کر سکے۔

اس کے بعد کردار نگاری ہے۔ اس میں خاکہ لکھنے والا ادیب ممدوح کی سیرت، رہن سہن، افکار اور جذبات کو اپنے گہرے مشاہدے سے روشناس کرتا ہے۔ موضوع شخصیت کے متعلق جتنی بھی معلومات مصنف کے پاس ہوتی ہے وہ اس معلومات میں سے ممدوح کی شخصیت کو کشید کر لیتا ہے۔ کردار نگاری کے بعد حلیہ نگاری کو بھی بہت اہمیت حاصل ہے۔ اس میں خاکہ نگار مختصر الفاظ کے ذریعے کسی بھی شخص کا حلیہ بیان کرتے ہوئے نا صرف اس کے ظاہری حلیے کو بیان کرتا ہے بلکہ اس شخص کے ظاہری تاثر کو موضوع بناتے ہوئے باطن میں جھانکنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ شخصیت کو اچھے سے بیان کیا جاسکے۔ اختصار خاکہ کا ایک اہم جزو ہے۔ سوانح عمری اور خاکہ نگاری میں سب سے بڑا فرق اختصار ہے۔ بلاشبہ اردو خاکہ نگاری میں طویل خاکے بھی لکھے گئے جس کی عمدہ مثال مرزا فرحت اللہ بیگ کا لکھا گیا خاکہ 'نذیر احمد کی کہانی۔ کچھ ان کی کچھ میری زبانی' شامل ہے۔ لیکن مرزا نے اپنے خاص اسلوب کے ذریعے اس خاکہ کو جاندار بنایا۔

اب بات ہو جائے خافی خان کے لکھے خاکے '' حسرت موہانی (ایک قدر دان کی نظر سے) کی تو یہ خاکہ اردو خاکہ نگاری کی تمام شرائط پر پورا اترتا ہے۔ کیوں کہ خاکہ نگاری کا بنیادی نقط کسی بھی شخصیت کی صورت گری کرنا ہے نا کہ اس کے حسب ونسب کو بیان کرنا۔ اس لحاظ سے یہ تحریر ایک مکمل خاکہ ہے۔ اس خاکے میں حسرت موہانی کا حلیہ ملاحظہ فرمائیں:

> ''ان ایام کے نووارد ان مین سے کوئی شخص بلحاظ شکل وشباہت و وضع قطع اور چال ڈھال کے اس قدر دلچسپ نہ تھا جسقدر نواح لکھنؤ کا ایک طالب علم جسے محبت اور مذاق نے ''خالہ امان'' نام دیا تھا۔ چھوٹا قد، لاغر بدن، گندمی رنگ پر چیچک کے مٹے ہوئے داغ۔ عمر کا خیال کرتے ہوئے ڈاڑھی کس قدر نیچی فراخ پیشانی اور چہرہ کی مسکراہٹ قیافے کو ناگوار نہ ہونے دیتی تھی۔ اس پر کلابتونی ٹوپی۔ پرانی وضع کے چار خانے کا انگرکھا ۔ مشروع کا تنگ پاجامہ جس کے پائنچے ٹخنون سے اونچے۔ عینک اور چھڑی اضافہ کیجئے تو خالہ امان یا دوسرے لفظو نمین سید فضل الحسن حسرت موہانی کی صورت چشم تصور کے سامنے پھرنے لگے گی۔''(9)

یہاں اس اقتباس میں یلدرم نے حسرت کی ظاہری وضع قطع کو بہت اچھے سے الفاظ کے قالب میں ڈھال کر بیان کرتے ہیں۔ ان کی اس حلیہ نگاری سے حسرت کا سراپا ایک بار آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ حسرت کی چال ڈھال کو دیکھ کر جامعہ کے طالب علموں نے حسرت کو خالہ اماں کے نام سے بلانا شروع کر دیا تھا۔ وہ طالب علم جو کالج میں خالہ اماں کے نام سے یاد کیا جاتا تھا، مرگ تک جاتے جاتے مولانا کے نام سے مشہور ہو گئے۔ حسرت موہانی جو کہ اپنی ذہنی افتاد کو ہمیشہ سامنے رکھتے تھے اور اس پر ہمیشہ قائم رہے۔ جس کے سبب وہ پورے ہندوستان میں مشہور ہوئے۔ اس بات کو خاکہ نگار نے کچھ اس طرح بیان کیا ہے:

> ''غرض ان اوصاف کا نتیجہ سمجھو یا انکی خوش نصیبی کہ پورا سال بھی نہ گزرنے نہ پایا تھا کہ خالہ امان نے عدم کی راہ لی اور اسکے بجائے ''مولینا'' بچے سے لیکر بوڑھے تک کی زبان پر جاری ہو گیا۔ کالج کی تاریخ القاب بخشی مین یہ ایسا واقعہ ہے جسکی نظیر نہین۔ مگر یہ سب اوصاف ایسے تھے کہ فضل کے لیے حصولِ عزت و محبت کا باعث ہو سکتے تھے۔ مگر حصول شہرت اس کے لیے فطرت سے مولینا کو بہت کچھ عطا ہوا تھا۔''(10)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3, 2024

حسرت کی شخصیت میں ایک سچے انسان کی جھلک واضح نظر آتی ہے۔ان کی شخصیت میں مذہبی عقائد بھی موجود تھے لیکن وہ اسلام کو صرف عقائد تک ہی محدود نہیں کرتے بلکہ وہ اسلام کو اس کے اصل معنی کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور یہ چیزیں ان میں آخر تک موجود رہیں۔ حسرت کی ساری زندگی فارسی اور اردو سے محبت میں گزر گئی۔ بوجہ مجبوری بی اے میں ریاضی کا مضمون پڑھا ورنہ سائنسی مضامین سے تو وہ جیسے بھاگتے تھے۔انگریزی زبان پڑھنا اور لکھنا تو جیسے گناہ سمجھتے تھے۔یہی وجہ تھی کہ اردو اور فارسی میں دلچسپی حد سے زیادہ تھی۔

> ''غرض اردو فارسی اور خاصکر ادب اردو سے اس شخص کو عشق تھا۔ جس زمانے میں عام طالب علم دارالاقامت اور بیت الطعام کے مناصب مانیٹری کی تلاش میں پریشان اور سرگردان رہتے ہین اس زمانے میں فضلل اساتذہ قدیم کے دیوان جمع کرنے اور ان کی خشک ہڈیوں پر ''قم باذنی'' پڑھنے کی فکر مین تھے۔ چنانچہ کئی مشہور اور بہت سے بھولے ہوئے شعرائے اردو کے کلام کا اتنا بڑا مجموعہ اس قدامت پرست نے جمع کر لیا کہ شاید پرانے کتب خانون کے سوا کہیں نہو۔''(11)

انگریز سامراج کے ہوتے ان سے بغاوت کرنا کسی دلیر کا ہی کام ہے۔ حسرت موہانی بھی بے خوف و خطر اس سامراج کے خلاف تھے۔ وہ جس بات کا اعادہ کر لیتے اس پر ڈٹ جاتے تھے چاہے کیسی بھی مشکل کیوں نہ آجائے۔ جب بھی کالج میں کوئی ہنگامہ برپا ہوتا اس کا سیدھا الزام مولانا پر لگا دیا جاتا۔ اسی وجہ سے کالج کے دنوں میں انھیں خاصی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک ایسا واقعہ ہی حسرت سے منسوب ہے۔

> ''شملے مین علیگڑھ کرکٹ ٹیم نے کسی انگریزی کلب سے بازی لی۔ علیگڑھ کالج کے بنی اسرائیل اس پر آپے سے باہر ہوگئے۔ ایک گروہ کثیر تمام آلات موسیقی جو کالج مین دستیاب ہو سکتے تھے یعنی تھالیان لوٹے گلاس کھانے کی سینیاں بجا بجا کر رات کی تاریکی مین شور محشر برپا کرتا پھرتا تھا۔ فضل الحسن جھون نے اپنی عمر میں نہ کبھی بیٹ چھوا تھا نہ گیند پھینکا تھا۔ یہ شور سنتے ہی ایک شکستہ حال کنستر لیے ہوئے کمرے سے برآمد ہوئے اور تیل کو حوالہ خاک کر کے سب سے آگے آگے اپنا کوس بجاتے ہوئے پروفیسرون حتیٰ کہ نواب محسن الملک مرحوم کی کوٹھی تک جا پہونچے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فرد سیاہ مین جو پرنسپل کے دفتر کی میز کے داہنے خانے مین بند رہتی ہے ان کا نام لکھ لیا گیا۔''(12)

حسرت اور اردوئے معلیٰ جیسے ایک ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہو چکے تھے۔ اردوئے معلیٰ کی داغ بیل تو سجاد حیدر یلدرم نے ۱۹۰۰ء میں ڈالی تھی۔ لیکن اس کو شہرت کی بلندیوں پر لے جانے والے حسرت ہی تھے۔ انھوں نے جس محنت اور لگن سے اس کی اشاعت اور ترقی میں اہم کردار ادا کیا اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ ایک بار حسرت موہانی نے مولانا حالی کے متعلق اردوئے معلیٰ میں کچھ لکھ دیا۔ کالج میں کوئی تقریب جاری تھی جس میں حالی نے بھی شرکت کی۔ حالی، سید زین العابدین کے کمرے میں بیٹھے تھے کہ حسرت بھی وہاں آگئے۔ زین العابدین نے اس مضمون کا حوالہ دے کر حسرت کے متعلق حالی کو سنایا۔

> ''اتنے میں سید صاحب مصنوعی حیرت بلکہ وحشت کا اظہار کر کے بولے 'ارے مولینا یہ دیکھیے آپ کی نسبت کیا لکھا ہے، اور کچھ اس قسم کے الفاظ پڑھنا شروع کیے ''سچ تو یہ ہے کہ حالی سے بڑھکر مُخرب زبان کوئی ہو نہین سکتا۔ اور وہ جتنی جلدی اپنے قلم کو اردو کی خدمت سے روکین اتنا اچھا ہے''۔ فرشتہ منش حالی ذرا مکدر نہین ہوئے اور مسکرا کر کہا کہ ''نکتہ چینی اصلاح زبان کا بہترین ذریعہ ہے اور یہ کچھ عجیب مین داخل نہین۔''(13)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3, 2024

اس رسالے کے ذریعے حسرت نے اردو زبان کی آبیاری کا کام کیا۔ جہاں انھوں نے حالی کی تحریروں پر اپنا قلم اٹھایا وہیں پر اس میں صحافی کا کام بھی کیا۔ سیاست کے داؤ پیچ کو انھوں نے بڑی دلجمعی سے اپنے رسالے کی زینت بنایا۔ یہ رسالہ ۱۹۰۸ء میں بند اہوا۔ اس میں شائع ہونے والے ایک مضمون ''مصر میں انگریزوں کی حکمت عملی'' کا سارا ذمہ اپنے سر لے کر ڈھائی سال کی قید کو قبول کیا پر مضمون لکھنے والے کا نام تک نہ لیا۔ اس قید و بند کی صعوبتوں کو یلدرم نے کچھ اس طرح بیان کیا:

> ''کم لوگ ایسے ہونگے جو اس ذہین اور طباع نیک دل اور وطن پرست شخص کی موجودہ مصیبت پر افسوس نہ کرتے ہون۔ جب تک آزاد تھا پورے طور سے آزاد تھا۔ اب قید مین ہے مگر اسکا دل و دماغ اور روح ویسی ہی آزاد ہے۔ ڈھائی برس کی قید شدید سے ڈیڑھ برس کی قید سخت رہیگی۔ یہ بھی بہت ہے لیکن خدا چاہے تو مصیبت بھی اسپر آسان کر سکتا ہے۔''(14)

اگر یلدرم کے اسلوب کی بات کی جائے تو جہاں ان کے ہاں ہمیں دلکشی نظر آتی وہیں پر وہ مشکل پسندی بھی اختیار کر جاتے ہیں۔ ان کی استعمال کی گئی تراکیب بعض اوقات غیر مانوس سی معلوم ہوتی ہیں۔ الفاظ کی تلاش میں عربی اور فارسی زبانوں سے استفادہ حاصل کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی لکھی تحریوں میں عربی فارسی کا رنگ زیادہ نمایاں ہو جاتا ہے۔ حسرت موہانی پر لکھے گئے خاکے میں بھی یہ چیز ہمیں متواتر نظر آئی۔ اس خاکے میں 'ں' کی بجائے 'ن' کا استعمال بہت ملتا ہے۔ جیسے کہ وہاں کی بجائے وہان اور نہیں کی بجائے نہین کا استعمال کیا گیا ہے۔ یہ ایک چھوٹی سی مثال ہے اس طرح کے بہت سے الفاظ وہ اپنے خاکے میں استعمال کرتے ہیں۔ ان کے خاکے میں عربی اور فارسی الفاظ کی یلغار زیادہ ہے یہی وجہ ہے کہ ان کی اس تحریر میں مشکل پسندی در آئی۔ وہ ایک مترجم اور افسانہ نگار تھے اور یہی رنگ ہمیں ان کے ہاں نظر آتا ہے۔

مختصراً یہ کہ یلدرم کے اس لکھے گئے خاکے میں حسرت کی شخصیت مکمل طور پر بیان کی گئی ہے۔ ان کے متعلق معلومات جامع اور مکمل ہے۔ ان کے مزاج کی سادگی، صداقت، ہمدردی جیسے تمام عناصر کو بڑی خوبصورتی سے بیان کیا گیا ہے۔ جہاں پر اس خاکے میں مولانا کی خوبیوں کا ذکر ملے گا وہیں پر کچھ بشری کمزوریوں کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ جس سے خاکہ متوازن ہو گیا ہے۔

اگر مرزا اور یلدرم کے خاکوں کا تقابل کیا جائے تو مزید چیزیں سامنے آجاتی ہیں۔ مثال کے طور پر جہاں یلدرم اپنے خاکے میں مشکل پسندی اختیار کی ہے وہیں پر مرزا نے آسان فہم اسلوب کو استعمال کیا ہے۔ مرزا کے ہاں دہلی کی عام زبان اور محاورات کا استعمال نظر آتا ہے۔ جب کہ یلدرم نے عربی اور فارسی کے الفاظ اور تراکیب کا استعمال کرتے ہیں۔ یلدرم کا لکھا گیا خاکہ اختصار کا نمونہ ہے تو مرزا کا لکھا گیا خاکہ طوالت سے بھرپور ہے۔ طوالت کے باوجود ان کا خاکہ اسلوب کے سبب قاری کی ذہنی افتاد پر گراں نہیں گزرتا۔ واقعات اور کردار میں دونوں خاکہ نگاروں کا فن کھل کر سامنے آتا ہے۔ مختلف واقعات کے ذریعے انھوں نے اپنی موضوع شخصیت کو بڑی خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ یہ فنی لوازم ان کے ہاں مشترکہ خوبی کے طور پر سامنے آتے ہیں۔

محققین کی نظر میں مرزا فرحت اللہ بیگ ہی پہلا خاکہ نگار ہے۔ مرزا فرحت اللہ بیگ کا لکھا گیا خاکہ جو کہ انجمن ترقی اردو ہند کے شمارہ 'اردو' میں جولائی ۱۹۲۷ء کو شائع ہوا۔ جس کی وجہ سے اس خاکے کو خاکہ نگاری کا پہلا خاکہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ لیکن اس سے پہلے زمانہ کانپور رسالہ میں ۱۹۰۸ء میں چھپا خاکہ ''حسرت موہانی (ایک قدر دان کی نظر سے)'' محققین کی نظر سے اوجھل رہا۔ اس پر ایک مکمل بحث کی جاسکتی ہے کہ آیا جب پہلا خاکہ 1908ء میں لکھا گیا تھا تب مرزا کا خاکہ (1927ء) پہلا خاکہ کیسے ہو گیا؟ ان دونوں خاکوں کے درمیان کم و بیش بیس سال کا فرق ہے۔ بلاشبہ تحقیق کی گئی کوئی بھی چیز حرفِ آخر نہیں ہوتی لیکن اس خاکے پر بات کی جائے تو بہت سے سوالات کا جواب ضرور مل جائے گا۔

حوالہ جات

۱- شمیم حنفی، ''آزادی کے بعد دہلی میں اردو خاکہ''، (دہلی: اردو اکادمی، ۱۹۹۱ء) ص ۱۳
۲- ایضاً، ص ۱۶

۳- مرتبہ یوسف ناظم، ''اردو کے منتخب خاکے''، (دہلی: انجمن ترقی اردو ہند، ۲۰۰۸ء) ص ۹
۴- سید ابوالخیر کشفی، ڈاکٹر، ''یہ لوگ بھی غضب تھے''، (لاہور: فیروز سنز، ۱۹۸۹ء) ص ۹
۵۔ قدرت اللہ شہزاد، ''اردو کے چند خاکہ نگار''، (بہاولپور: مکتبہ الہام، ۲۰۰۷ء) ص ۹
۶- عابد رضا بیدار، ''حسرت''، جلد ۴۹ شمارہ ۴ (دہلی: اکتوبر ۱۹۶۲ء): ص ۱۷۷
۷۔ قراۃ العین حیدر، ''کار جہاں دراز''، (جلد اول)، (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس، ۲۰۰۳ء) ص ۱۳۷
8۔ یحییٰ امجد، ''فن اور فیصلے'' (لاہور: کتابیات، ۱۹۶۹ء) ص ۲۶
9۔ خافی خان، ''حسرت موہانی (ایک قدر دان کی نظر سے)''، جلد ۱۱ شمارہ ۶ (کانپور: دسمبر ۱۹۰۸ء) ص ۲۹۲
10۔ ایضاً، ص ۲۹۳
11۔ ایضاً، ص ۲۹۴
12۔ ایضاً، ص ۲۹۶
13۔ ایضاً، ص ۲۹۸۔۲۹۹
14۔ ایضاً، ص ۲۹۹